اسلامی شریعت کا رومی قانون سے تعلق

ڈاکٹر عبدالکریم زیدان

زیرِ نظر مقالہ ڈاکٹر عبدالکریم زیدان، پروفیسر فقہ اسلامی جامع بغداد کی کتاب "المدخل لدراسۃ الشریعۃ الاسلامیۃ" سے ماخوذ ہے۔ مخالفین کی طرف سے اسلامی شریعت پر عام اعتراض یہ رہا ہے کہ یہ نظام قانون رومی قانون سے ماخوذ یا متاثر ہے۔ فاضل مصنف نے اس مقالہ میں اس کا سنجیدہ، مدلل اور علمی جواب دیا ہے۔ افادہ عام کے پیش نظر اس کا اردو ترجمہ شائع کیا جا رہا ہے۔

ساجد الرحمٰن

تمہید

اسلام ملک عرب میں ظہور پذیر ہوا۔ قبول اسلام کے بعد اہل عرب جزیرہ عرب سے نکل کر دور و نزدیک دوسرے ممالک میں پھیل گئے۔ اور تھوڑی سی مدت میں ان ملکوں کو انہوں نے فتح کر لیا۔ اور ان پہ غالب آ گئے۔ ان مفتوحہ ممالک میں وہ علاقے بھی شامل تھے جو مشرقی رومی سلطنت کے ماتحت اور تابع فرمان تھے، جیسے شام و مصر وغیرہ۔ ان فتوحات کے نتیجہ میں اسلامی شریعت نے اس رومی قانون کی جگہ لے لی جو ان علاقوں میں رائج تھا۔ اس وجہ سے اسلامی شریعت کا رومی قانون کے ساتھ تعلق کا مسئلہ پیدا ہوا۔ مستشرقین کی اکثریت اس بات کی قائل ہے

کہ اسلامی شریعت رومی قانون سے متاثر ہے۔ اگرچہ اس تاثر کی وسعت کے بارے میں خود ان کے درمیان اختلاف ہے۔ ان میں سے ایک فریق کا خیال یہ ہے کہ اسلامی شریعت رومی قانون سے ماخوذ ہے۔ ان کے نزدیک رومی قانون اسلامی شریعت کا ماخذ ہے۔ اور اس کے قاعدوں اور ضابطوں کی اساس پر شریعت اسلامیہ کے فقہاء نے اس کو قانونی وجود بخشا۔ اس گروہ میں مستشرق گولڈ زیہر، فون کریمر، اور شیلڈن آموس ہیں۔ شیلڈن آموس کا قول ہے کہ شرع محمدی مشرقی سلطنت کے رومی قانون کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس میں عربوں کے مفتوحہ علاقوں میں سیاسی حالات کے مطابق ترمیم کرلی گئی ہے۔ ان کا ایک اور قول ہے شرع محمدی عربی لباس میں جسٹینین کے قانون کے سوا کچھ نہیں ہے[1]۔ مستشرقین کا دوسرا گروہ اس بات کا قائل ہے اسلامی شریعت بعض احکام میں رومی قانون سے متاثر ہے۔ اس نظریہ کے ظاہر ہونے کے کچھ عرصہ بعد کہ اسلامی شریعت رومی قانون سے متاثر ہے اس کے برعکس نظریہ قائم ہوا جو شریعت اسلامیہ کے رومی قانون سے متاثر ہونے کی نفی کرتا ہے۔ اس نظریہ کے ماننے والوں میں اطالوی مستشرق نالینو اور استاذ فتیز جیرالڈ ہیں اور مصر میں بعض ماہرین فقہ و قانون نے بھی اس رائے کا جھنڈا بلند کیا جیسے استاذ علی البدوی، ڈاکٹر عبدالرزاق سنہوری، ڈاکٹر شفیق شحاتہ، ڈاکٹر محمد یوسف موسی اور استاذ محمد سلام مدکور۔ اس مسئلہ میں ایک تیسرا نظریہ بھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ رومی قانون اسلامی شریعت سے متاثر ہے۔ اس بحث کے آخر میں ہم اس تیسرے نظریہ پہ گفتگو کریں گے۔ ذیل میں میں ان لوگوں کے دلائل بیان کرتا ہوں جو اس بات کے قائل ہیں کہ اسلامی شریعت رومی قانون سے متاثر ہے۔ اس کے بعد میں وہ دلائل بیان کروں گا جن کی بنیاد پر اس نظریہ پہ تنقید کی گئی ہے یا اس پہ اعتراض کیا گیا ہے، یا اس نظریہ کو کمزور قرار دیا گیا ہے۔ اس بحث و تمحیص

سے اس مسئلہ میں حق بات واضح ہو جائے گی۔

ان لوگوں کے دلائل جو یہ کہتے ہیں کہ اسلامی شریعت رومی قانون سے متاثر ہے یہ ہیں۔

جو لوگ یہ رائے رکھتے ہیں کہ اسلامی شریعت رومی قانون سے متاثر ہے، اس کی تائید میں وہ کچھ دلائل پیش کرتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان دلائل کو پیش کرتے ہیں، اس کے بعد ان پر بحث کریں گے۔[۲]

اول :۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس رومی و بزنطینی قانون سے جو روم کی مشرقی سلطنت میں نافذ تھا اچھی طرح واقف تھے۔ اور اس واقفیت کے راستہ ہی سے اس قانون کے ضابطے اسلامی شریعت میں داخل ہوئے۔

دوم :۔ وہ کہتے ہیں کہ رومی قانون کی درسگاہیں قیصریہ، بیروت، قسطنطنیہ اور اسکندریہ میں پائی جاتی تھیں۔ اسی طرح رومی سلطنت کے صوبوں میں ایسی عدالتیں موجود تھیں جن کا نظام رومی قانون کے مطابق قائم تھا، اور وہاں اس کے احکام نافذ تھے۔ اسلامی فتوحات کے بعد یہ عدالتیں اور درسگاہیں باقی تھیں۔ ان کے ذریعہ مسلمان فقہا ان عدالتوں میں رائج قوانین اور رومی ماہرین قانون کے نظریات سے واقف ہوئے، اور انہوں نے ان نظریات اور احکام کو فقہ اسلامی میں منتقل کیا۔ ان کا خیال ہے کہ رومی قانون سے جو مسلمان فقہا زیادہ متاثر ہوئے وہ امام اوزاعی اور امام شافعی تھے۔

سوم :۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رومی سلطنت کے فتح ہونے کے بعد مسلمان فقہا اس کے مختلف شہروں میں پھیل گئے۔ اور اس کی وجہ سے وہاں جو لوگ رومی قانون کے ماہر تھے اور اس کے قوانین سے پوری طرح واقف تھے ان کے ساتھ ان کا اختلاط ہوا۔ ان مفتوحہ علاقوں

کے لوگ اسی قانون سے مانوس تھے، اور اس کے عادی تھے۔ چنانچہ اسلامی شریعت کے فقہاء نے ان قوانین کو جو اسلامی شریعت میں موجود نہیں تھے اپنے سینہ سے لگایا، اور لوگوں کے ان سے مانوس ہونے کے سبب ان قانونی علاقوں میں جو اس ملک میں اس وقت موجود تھے اس قانون کو نافذ کیا۔

چہارم:۔ وہ کہتے ہیں کہ رومی قانون نے اسلامی شریعت کو جاہلی قانون اور یہودیوں کی کتاب تالمود کے راستہ سے بالواسطہ متاثر کیا۔ یہ کتاب یہودی شریعت کی فقہ پر مشتمل ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ جاہلی قانون رومی قانون سے متاثر ہوا، اس کے نتیجہ میں رومی قانون کے بعض ضابطے دورِ جاہلیت میں عربوں کے قوانین میں داخل ہو گئے، جس طرح یہ تلمود میں سرایت کر گئے تھے اسلامی شریعت نے جاہلی دور کے بعض قوانین کو برقرار رکھا۔ اس طرح رومی قانون کے بعض ضابطے اسلامی شریعت کے احکام میں داخل ہو گئے۔ ایسے ہی اسلامی شریعت کے فقہاء نے تلمود کے بعض احکام کو بھی اپنا لیا، اور اس طریقہ سے تلمود میں جو رومی قانون کے بعض احکام موجود تھے وہ اسلامی شریعت میں بھی داخل ہو گئے۔

پنجم:۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلامی شریعت کے رومی قانون سے متاثر ہونے کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ اسلامی شریعت اور رومی قانون میں موجود قانونی ضابطے، احکام اور قواعد ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شریعت بعد میں آئی ہے، یعنی اسلامی شریعت اس نے یہ قانونی ضابطے اور احکام اس شریعت سے اخذ کئے ہیں جو اس سے پہلے تھی یعنی رومی قانون، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو بعد میں آتا ہے وہ پہلے آنے والے سے اخذ کرتا ہے، نہ کہ اس کے برعکس۔

ان دلائل پر تنقید اور بحث

پہلی دلیل پر بحث اور اس کا رد

ان کا یہ دعویٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رومی قانون سے واقف تھے قطعاً غلط ہے۔ یہ انتہائی پوچ اور لچر دلیل ہے جس کا علم و تحقیق سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک خالص عرب گھرانے میں پیدا ہوئے تھے، اسی طرح آپ کی پیدائش عرب کے شہر مکہ میں ہوئی تھی جو خالص عربی شہر تھا، اس میں رومی رسم و رواج اور قانون کا ذرا بھی اثر نہ تھا۔ اور نہ یہاں ایسے لوگ موجود تھے جو ان سے واقف ہوں۔ بعثت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو مرتبہ جزیرہ عرب سے باہر کا سفر فرمایا تھا۔ اور مکہ چھوڑ کر دوسرے ممالک میں تشریف لے گئے تھے۔ پہلا سفر آپ نے اپنا اس وقت کیا جب آپ کی عمر مبارک بارہ سال، اور بعض روایت کے مطابق نو سال کی تھی۔ آپ کے چچا حضرت ابو طالب آپ کو تجارت کے سلسلہ میں شام لے گئے تھے، اور آپ مقام بصریٰ تک گئے تھے۔ آپ نے دوسرا سفر بھی شام ہی کے لئے فرمایا، اور اس میں آپ حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت لے کر تشریف لے گئے تھے۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کے غلام آپ کے ساتھ تھے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک پچیس سال تھی۔ اس وقت بھی آپ کا سفر بصریٰ تک تھا، اور تھوڑے دن وہاں قیام فرما کر آپ وہاں سے واپس تشریف لے آئے[۲]۔ ان دونوں سفروں میں آپ کے ساتھ خالص عرب تھے، جن کو رومی قانون سے ذرا بھی واقفیت نہ تھی ایسے ہی بصریٰ میں قیام کے دوران آپ رومی قانون کے ماہرین اور اس سے واقف لوگوں سے نہیں ملے۔ اس طرح وہاں کوئی ایسا سبب بھی موجود نہ تھا جس سے رومی سلطنت کے حکام یا ماہرین قانون میں سے کوئی بعثت سے قبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رومی قانون کے احکام و قواعد بصریٰ میں قیام کے دوران سکھاتا۔ جو عرب تاجر تجارت کے سلسلہ میں شام آتے جاتے تھے ان کے ساتھ اس قسم کی تعلیم کا سلسلہ کبھی بھی موجود نہ تھا۔ اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کتابی شکل

میں پڑھ کر آپ کو رومی قانون سے واقفیت ہو گئی ہو گی، کیونکہ آپ لکھنا اور پڑھنا نہیں جانتے تھے اس کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے

وماکنت تتلوامن قبلہ من کتٰب ولاتخطہ بیمینک اذاً لارتاب المبطلون (عنکبوت ۴۸)	اور اس سے پہلے تم کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے، یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک کرتے۔

اس کے بعد اسلامی شریعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی شکل میں نازل ہوئی۔ اس لئے یہ بات ناممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سہواً یا عمداً اس وحی کے ساتھ رومی قانون کی کوئی چیز ملائی گئی ہو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود ذمہ لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

انّا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون (الحجر۔ ۹)	بیشک ہم نے یہ قرآن مجید اتارا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی طرف سے فرماتے ہیں۔

ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین (الحاقۃ۔ ۴۴۔ ۴۵)	اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے اور ہم اس کے دل کی رگ کاٹ ڈالتے۔

۸۰۔ دوم۔ دوسری دلیل پر تنقید اور اس کا جواب

رومی قانون اور عدالتی نظام کے مکاتب فکر کی طرف سے جو دوسری دلیل پیش کی گئی ہے وہ نہایت مضحکہ خیز ہے، اس کے درست ہونے کی کوئی بنیاد موجود نہیں ہے۔ تاریخی واقعات اس کو غلط قرار دیتے ہیں۔ تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ شہنشاہ جسٹینین نے اس دستور کے مطابق

جو اس نے ۱۶ دسمبر ۵۳۳ء میں جاری کیا تھا رومی سلطنت میں رومی قانون کی تمام درسگاہیں سوائے روم، قسطنطنیہ اور بیروت کے ختم کر دی گئی تھیں؟ فقہ اسلامی یا مسلمان فقہاء پر قانون کے ان درسگاہوں میں سے کسی کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ بعض علماء نے یہ دعوی کیا ہے کہ مسلمان فقہاء اسکندریہ کی درسگاہ سے متاثر ہوئے تھے۔ لیکن یہ دعوی قطعی طور پہ باطل ہے کیونکہ یہ درسگاہ جسٹینین کے اس دستور کے مطابق جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے مسلمانوں کے اسکندریہ فتح کرنے سے پہلے ہی بند کر دی گئی تھی، اسکندریہ مسلمانوں نے ۲۱ھ میں فتح کیا ہے۔ روم اور قسطنطنیہ کی درسگاہوں کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا، اس لئے کہ روم کو تو مسلمانوں نے فتح ہی نہیں کیا تھا، اور قسطنطنیہ ۱۴۹۲ء میں فتح ہوا تھا۔ اس کے فتح ہونے سے پہلے اس کے اور اسلامی سلطنت کے درمیان کوئی دوستانہ تعلقات نہیں تھے، تاکہ مسلمان فقہاء وہاں پہنچ سکتے، اور جو قانون وہاں پڑھایا جاتا تھا اس سے واقفیت حاصل کرتے اور اس سے متاثر ہوتے۔ رہی بیروت کی درسگاہ، تو تاریخی طور پہ یہ بات ثابت ہے کہ اسلامی فتح سے پہلے ہی یہ ختم ہو چکی تھی اور یہ عرصہ ایک صدی کا ۳/۴ حصہ بنتا ہے۔ اس لئے فقہ اسلامی پہ ایسی درسگاہوں کے اثر کا کوئی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جو مٹ چکی ہوں اور ان کا کوئی وجود ہی باقی نہ رہا ہو۔

ان کا یہ دعوی کہ اسلامی فقہاء میں سے امام اوزاعی اور امام شافعی بیروت کی درسگاہ اور اس کے فقہاء کی آراء سے متاثر تھے اس تاریخی واقعہ کی بنیاد پہ باطل ہو جاتا ہے۔ امام اوزاعی کا تعلق اہل حدیث سے تھا نہ کہ اہل رائے سے، جیسا کہ ان کی فقہ سے معلوم ہوتا ہے، جو کتاب الام اور دوسری کتابوں میں منقول ہے۔ اور حال ہی میں مدون بھی ہو چکی ہے بالفرض اہل حدیث اگر رومی قانون سے واقفیت بھی رکھتے تھے، تب بھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں

کہ رومی قانون سے اثر پذیری میں یہ درسگاہ سب سے زیادہ دور رہی۔ امام شافعی غزہ میں پیدا ہوئے۔ ابھی وہ دودھ ہی پی رہے تھے، یا دودھ چھڑانے کے بعد ان کے گھر والوں نے انہیں مکہ مکرمہ بھیج دیا۔ یہیں انہوں نے پرورش پائی۔ اور یہاں کے فقہار سے فقہ کا علم حاصل کیا۔ پھر وہ مدینہ تشریف لے گئے، وہاں امام مالک کی صحبت میں رہے، اور ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ مدینہ سے پھر وہ یمن چلے گئے، اور یہاں کی فقہ سے بہرہ ور ہوئے۔ اس کے بعد وہ عراق چلے گئے، اور وہاں امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد بن الحسن شیبانی سے ملاقات کی۔ ان سے احناف کی فقہ کی سماعت کی۔ اور آخر میں چار پانچ سال مصر میں ان کا قیام رہا۔ اور وہیں وفات پائی[۶] اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعی نے فقہ کا علم اور اس فن میں پختگی ان شہروں میں حاصل کی جو رومی قانون کے مراکز سے دور تھے۔ اس لئے اس قانون سے ان کے متاثر ہونے یا واقفیت حاصل کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

رہا یہ دعویٰ کہ اسلامی فتوحات کے بعد ان ملکوں میں رومی عدالتیں باقی تھیں صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اسلامی سلطنت میں ابتدا ہی سے قضار کا محکمہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہی رہا ہے، غیر مسلموں کے ہاتھ میں نہیں۔

۸۱۔ سوم: ان کی تیسری دلیل پر تنقید اور اس کا جواب:

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ دلیل دو باتوں پر مشتمل ہے۔ اول یہ کہ مسلمان فقہار مفتوحہ رومی علاقوں میں پھیل گئے تھے۔ اس سبب سے انہیں رومی قانون سے واقف ہونے کے پورے ذرائع حاصل تھے۔ دوم یہ کہ مسلمانوں نے رومی قانون کے ان قواعد وضوابط کو جن سے شرعی قانون بہرہ ور نہ تھا ان علاقوں میں نافذ کئے جو اس وقت ان کے زیر اقتدار تھے، اس قانون کے نفاذ سے ان علاقوں کے باشندوں کی رعایت مقصود تھی، کیونکہ وہ اسی

قانون سے مانوس تھے۔

یہ دلیل بھی مع اپنی دونوں شقوں کے نہایت لچر ہے، اور اس سے ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔ دوسری دلیل پر بحث کے دوران ہم یہ بات تبلا چکے ہیں کہ مسلمان فقہاء پر رومی قانون کی درسگاہوں کا قطعاً کوئی اثر نہ تھا۔ اب یہاں ہم اس بات کا اضافہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے مفتوحہ رومی علاقوں میں پھیل جانے سے وہ رومی قانون سے واقفیت پر قادر نہ ہوئے۔ کیونکہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ مسلمان فقہا راس قانون سے واقف نہ تھے، اگر وہ اس کی کسی چیز سے بھی واقف ہوتے تو اس کی تائید یا تردید میں اپنی فقہ کی کتابوں میں کوئی اشارہ ضرور کرتے جیسا کہ انہوں نے فلسفہ اور طب کے بارے میں کیا ہے، ان علوم میں انہوں نے ابتداء میں یونانی علوم وفنون سے استفادہ کیا تھا، اسی طرح ادب کی بعض اصناف پر فارسی کا اثر پڑا، جس میں انہوں نے ایران کے علوم سے استفادہ کیا تھا۔ اب تک رومی قانونی کی کتابوں کا عربی زبان میں مسلمان فقہا یا کسی دوسرے طبقہ کی طرف سے عربی زبان میں ترجمہ نہیں ہوا تھا اگر ایسا ہوتا تو ان کے بارے میں یہ چیز معروف ہوتی، اور رومی قانون کی کوئی کتاب یا رسالہ جس کا انہوں نے عربی میں ترجمہ کیا ہوتا تاریخ نے ہمارے لئے ضرور محفوظ کیا ہوتا۔ کیونکہ جیسے یونانی ورثہ سے منقول ترجمہ کی شکل میں ہمارے پاس بہت سی کتابیں موجود ہیں، ایسے ہی ایرانی ورثہ (فارسی) سے منقول علمی و ادبی کتابیں موجود ہیں۔ مسلمان فقہا کا رومی قانون کے مقابلہ میں اس منفی مؤقف، روگردانی اور عدم توجہ کا سبب یہ تھا کہ ان کے خیال میں اسلامی شریعت ایک مکمل اور انصاف پر مبنی نظام قانون ہے، اور اسی سے لوگوں کو بھلائی اور انصاف مل سکتا ہے، اور ان کی مصالح پوری ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ وہ وحی الٰہی پر مبنی ہے — اس لئے انہوں نے رومی قانون پڑھنے کی ضرورت محسوس

نہیں کی۔ بلکہ اس سے محض واقفیت کے لئے بھی انہوں نے کسی محرک کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔

اس دلیل کی دوسری شق بھی باطل ہے۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مسلمان فقہا رومی قانون سے واقف نہ تھے۔ اگر وہ اس سے واقف بھی ہوتے تب بھی اپنی سلطنت میں اس کو نافذ نہ کرتے۔ کیونکہ ان کے عقیدہ کے مطابق اسلامی شریعت ہی ایسا قانون ہے جس کو دارالاسلام میں مقیم باشندوں کے درمیان ہر قسم کے قانونی تعلقات کے لئے نافذ کیا جانا چاہیئے۔ مسلمان قاضی کے لئے قطعاً یہ گنجائش نہیں ہے کہ وہ غیر مسلموں یا مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ اسلامی شریعت کے علاوہ کسی دوسرے قانون سے کرے۔ اسی طرح کسی مسلمان فقیہ کو یہ اجازت نہیں ہے کہ اسلامی شریعت کے علاوہ کسی دوسرے قانون کے مطابق فتویٰ دے۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات اس کو بتلاتی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک هم الکافرون (مائدہ - ۴۴)

یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہ دیں تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ من الکتاب ومهیمنا علیہ فاحکم بینهم بما انزل اللہ (مائدہ - ۴۸)

یعنی اور اس کتاب کو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے جس کا حال یہ ہے کہ یہ خود بھی سچی ہے اور اپنے سے پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے اور ان کتابوں کی محافظ بھی ہے۔ لہٰذا آپ ان اہل کتاب کے مابین اس کے مطابق فیصلہ کیا کیجئے جو اللہ نے آپ پر نازل کیا ہے۔

تیسری جگہ ارشاد ہے:

وان احکم بینهم بما انزل اللہ ولا تتبع

یعنی اور اے پیغمبر جو کتاب ہم نے نازل کی ہے اس کے مطابق ان اہل کتاب کے مابین فیصلہ فرمایا کیجئے

اھواءھم (مائدہ - ۴۹)   اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے۔

اور یہ اسی قسم کی دوسری آیات یہ بتلاتی ہیں کہ اسلامی شریعت کے احکام کی رو سے ہی مقدمات کا فیصلہ کرنا مسلمانوں پر فرض ہے ۔

عام مفسرین نے بھی ان آیات کی یہی تفسیر کی ہے۔ مختلف مذاہب کے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے" اس لئے اسلامی سلطنت میں مسلمان فقہاء یا قاضیوں کی طرف سے رومی قانون کو نافذ کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ فرض کیجئے اس وقت بعض ایسے قانونی تعلقات اور جدید واقعات کا ان علاقوں کے فقہاء کو سامنا کرنا پڑا ہو جن کے بارے میں کتاب و سنت میں واضح احکام موجود نہیں تھے، تو فقہاء ان واقعات اور مسائل کے بارے میں بھی شریعت کے ان مآخذ سے احکام مستنبط کرتے تھے جن کی طرف خود شریعت نے رہنمائی کی ہے، یعنی اجماع اور قیاس ان مآخذ میں کہیں بھی شریعت کے علاوہ کسی دوسرے قانون کا حوالہ موجود نہیں ہے، جیسے رومی قانون وغیرہ۔

جب ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ یہ دلیل باطل ہے تو اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مفتوحہ رومی علاقوں میں مسلمان فقہاء نے ایسے رسم و رواج و عرف پائے جن سے وہاں کے باشندے پہلے سے مانوس چلے آرہے تھے۔ فقہاء نے ان علاقوں میں پائے جانے والے رسم و رواج کو اصول شریعت اور اس کے احکام سے ملا کر دیکھا۔ ان میں سے جو شریعت کے مخالف نہیں تھے ان کو باقی رکھا جیسے انہوں نے دوسرے مفتوحہ ممالک عراق و ایران وغیرہ کے ساتھ کیا تھا، جو رومی سلطنت کے ماتحت نہیں تھے۔ مسلمان فقہاء نے جو ان علاقوں میں پائے جانے والے بعض رسم و رواج کی رعایت کی، اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ رومی قانون نے ان کی رعایت کی تھی، اور ان کا اعتبار کیا تھا، اس لئے فقہاء نے بھی اس ملک میں ان کی اتباع کی۔ بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ اسلامی

شریعت میں خود صحیح عرف اور رسم و رواج کی رعایت کرنے کا حکم موجود ہے[۱۲]۔ یہی معاملہ شریعت نے عربوں کے جاہلی دور کے رسم و رواج کے ساتھ کیا۔ ان میں سے ان رسم و رواج کو جو صالح تھے، اور شرعی احکام سے متصادم نہ تھے باقی رکھا۔ اور ان میں جو فاسد تھے، اور شرعی احکام کے ساتھ ہم آہنگ نہ تھے، ان کو ختم کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر لوگوں کو دوسرے ایسے رسم و رواج پر چلنے کے لئے آمادہ کیا جائے جو ان اچھے رسم و رواج کے علاوہ ہوں جن کے وہ عادی ہوں، اور زمانہ دراز سے ان کے ساتھ مانوس چلے آرہے ہوں، تو اس طرح ان کو سخت تنگی اور بڑی مشقت میں ڈالنا ہوگا۔ شریعت کے اصولوں میں لوگوں کے لئے تخفیف (بوجھ ہلکا کرنا) تیسیر (آسان کرنا) اور رفع حرج (تنگی دور کرنا) اہم اصول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (بقرہ۔ ۱۸۵) — یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا۔

دوسری آیت میں فرمایا:

یرید اللہ ان یخفف عنکم (نساء ۲۸) — یعنی اللہ تعالیٰ تم پر سے بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے۔

تیسری آیت میں فرمایا:

ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج (مائدہ۔ ۹) — یعنی اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ وہ تم پر کوئی تنگی کرے۔

۸۲۔ ان کی چوتھی دلیل پر تنقید اور اس کا جواب

اس دلیل میں یہ بات کہی گئی ہے کہ چونکہ عربوں کے سلطنت روما کے باشندوں کے ساتھ روابط تھے، اس لئے رومی قانون کے بہت سے قاعدے اور ضابطے جاہلی دور میں عربوں کے رسم و رواج میں سرایت کر گئے تھے۔ جیسے یہودیوں کی فقہ کی کتاب تلمود میں ان رومی قاعدوں

نے راہ پائی تھی۔ چونکہ اسلام نے جاہلی دور کے بعض قوانین کو باقی رکھا اور مسلمان فقہاء نے تلمود کے بعض احکام سے استفادہ کیا تھا، اس کے معنی یہ ہیں رومی قانون کے بعض قاعدے اور نظام اسلامی شریعت اور فقہ میں راہ پاگئے۔ اور دونوں کا جزو بن گئے اس قسم کے نتائج اخذ کرنا، اور ان پر ان مقدمات کی بنیاد رکھنا درست نہیں ہے۔ ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے، جیسا کہ اٹلی کے مستشرق نالینو نے کہا ہے، جس سے یہ ثابت کیا جا سکے کہ رومی قوانین نے جاہلی دور کے رسم و رواج کے واسطے سے اسلامی شریعت میں راہ پائی ہے۔[۱۲] یہ تو واقعہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کے اپنے پڑوسی ملک سلطنت روما کے ساتھ تعلقات تھے۔ لیکن ان کے یہ تعلقات کمزور اور محدود تھے۔ رومی حکومت نے ان عرب تاجروں کے لیے جو شام جایا کرتے تھے خاص منڈیاں مقرر کی ہوئی تھیں۔ ان مقامات سے باہر جانے کی ان کو اجازت نہ تھی، یہ منڈیاں عقبہ، غزہ اور بصری کی تھیں۔ اس کے علاوہ اس دور میں عربوں کے درمیان تعلیم عام نہ تھی۔ اور وہ غیر ملکی زبانوں سے ناواقف تھے۔ اس لئے عربوں کے رومی سلطنت کے عوام کے ساتھ تعلق کے باوجود ان پر رومی قانون کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو سکا۔[۱۴] تلمود سے استدلال بھی ان کے حق میں مفید نہیں کیونکہ بہت سے وجوہ کی بنا پر اس میں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے جس سے ان کی رائے کی تائید ہوتی ہو۔ چند وجوہ یہ ہیں

(۱) تیسری صدی عیسوی کے بعد رومی بیزنطینی قانون یہودی قانون خود متاثر ہوا لیکن اس کے برعکس نہیں ہوا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس دور کے شارحین قانون رومی قانون کے بعض ضابطوں کو یہودی الاصل قرار دیتے ہیں۔ یعنی بعض رومی قانونی ضابطے یہودیوں کے قانون سے ماخوذ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ رومی قانون کے قواعد و ضوابط اسلامی شریعت میں یہودیوں

کے قانون کے واسطے سے منتقل نہیں ہوئے۔

(ب) ایک راجح قول کے مطابق سابق آسمانی شریعتوں میں وارد ہونے والے احکام اسلامی شریعت کا حصہ نہیں ہیں، الا یہ کہ خود اسلامی شریعت میں ایسی دلیل موجود ہو جو یہ تبلائے کہ ان میں سے کوئی خاص حکم مسلمانوں کے حق میں شریعت کا حکم رکھتا ہے۔

(ج) تلمود میں کثرت سے ایسے احکام موجود ہیں جو فقہ اسلامی کے احکام کے مخالف ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ یہودیوں کے نزدیک شادی ایک معروضی عقد ہے یہ اس وقت تک منعقد نہیں ہوتا جب تک اس کی معین شکلیں اپنی شرائط کے ساتھ موجود نہ ہوں۔ مثلاً فریقین کا عبرانی زبان میں چند مخصوص کلمات ادا کرنا، عقد کا ضبط تحریر میں لانا، اور اس کو خاص طرح کی نمازادا کر کے جس میں معین تعداد میں لوگ جمع ہوں مقدس بنانا، یہودیوں کے تہواروں اور سبت کے دنوں میں اس عقد کا جائز نہ ہونا۔ اس کے برخلاف اسلامی شریعت میں نکاح کا طریقہ یہ ہے کہ فریقین کی طرف سے دو گواہوں کی موجودگی میں باہمی رضامندی کا اظہار ہو۔ اس کے انعقاد کے لئے کسی معین شکلوں کی شرط نہیں ہے۔

یہودی قانون کے مطابق تعدد ازدواج میں بیویوں کی کوئی تعداد مقرر نہیں اس کے برعکس اسلامی شریعت میں چار سے زیادہ بیویوں کی اجازت نہیں۔ یہودیوں کے قانون میں شادی شدہ عورت اپنے مال میں تصرف نہیں کر سکتی، کیونکہ وہ کسی کے ساتھ عقد (معاہدہ) کرنے کی اہل نہیں ہے۔ اور جو کچھ اس کی ملکیت میں ہے وہ اس کے شوہر کا ہے۔ اس میں جس طرح تصرف کرے اس مسئلہ میں اسلامی شریعت یہودی قانون کے مخالف ہے۔ وہ شادی شدہ عورت کو اپنے مال میں تصرف کرنے اور قدرت

رکھنے کا مکمل طور پر اہل قرار دیتی ہے، اور تصرف کے لئے اس کو خاوند کی اجازت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسلامی شریعت میں طلاق کے لئے کوئی خاص شکل مقرر نہیں ہے۔ اس کے برخلاف یہودی شریعت میں اس کے لئے خاص شکلیں مقرر ہیں۔ یعنی عبرانی زبان میں اس کا لکھنا ضروری ہے، اور سبت اور تہواروں کے دن طلاق واقع نہیں ہوسکتی۔ اسلامی شریعت میں وارث کی موجودگی میں اپنے مال میں سے تہائی حصہ کی وصیت اجنبی کے حق میں جائز ہے۔ لیکن یہودی قانون میں وصیت اس وقت جائز ہے جب نرینہ اولاد موجود نہ ہو۔ یہودی قانون میں ورثاء کو ترکہ اس شرط پر ملتا ہے کہ جو بھی حقوق، قرض اور ذمہ داریاں میت پر تھے اب ورثاء کو ادا کرنا ہوں گے۔ اس کے برخلاف اسلامی شریعت میں وارث کو جو ترکہ ملتا ہے وہ میت کا قرض ادا کرنے کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ بلکہ قرض اس کے ترکہ میں سے شروع میں ہی ادا کردیا جاتا ہے۔ قرض ادا کرنے کے بعد جو ترکہ بچتا ہے وہ وارثوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ اگر قرض ادا کرنے کے لئے میت کا ترکہ کافی نہیں ہوتا تو اس کی ذمہ داری وارثوں پر نہیں ہوتی۔ اسلامی شریعت میں رضاعی رشتے نکاح کے لئے مانع (رکاوٹ) بنتے ہیں۔ لیکن یہودی قانون میں یہ صورت نہیں ہے۔ فقہ اسلامی میں تعزیری سزائیں موجود ہیں، لیکن یہودی قانون میں ان کا کوئی وجود نہیں۔ اس تجزیہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہودی قانون اسلامی قانون سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ رہیں وہ چیزیں جو دونوں میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں تو وہ محض چند جزوی احکام ہیں، اور اگر ان کا اختلاف سے مقابلہ کیا جائے تو ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ ان کا یہ دعویٰ کہ اسلامی قانون یہودی قانون سے متاثر ہے، اور اس کے نتیجہ میں رومی قانون سے[۵۱] بے بنیاد ہے۔

<u>پانچویں دلیل پر تنقید اور اس کا جواب :</u>

اس دلیل میں مخالفین نے اسلامی شریعت اور رومی قانون میں بعض مشابہ چیزوں سے اس پر استدلال کیا ہے کہ اسلامی قانون رومی قانون سے متاثر ہے۔ بہت سے وجوہ کی بناء پر ان کا یہ استدلال کمزور ہے۔ اس لئے یہ دلیل بھی ساقط ہے اور مسترد کرنے کے قابل ہے۔ اس کے جواب میں ہمارے دلائل درج ذیل ہیں۔

اول : ان دونوں قانونی نظاموں میں چند باتیں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں مثلاً رومی قانون میں یہ اصول ہے کہ بارِ ثبوت مدعی پر ہوتا ہے۔ اور اسلامی شریعت میں بھی یہ قاعدہ ہے کہ بارِ ثبوت مدعی پر ہوگا، اور جو انکار کرے (مدعی علیہ) اس کو قسم کھانی ہوگی اسی طرح دونوں میں یہ اصول مسلم ہے کہ بغیر حق کے دوسرے کا مال لینا حرام ہے۔ اس قسم کے قواعد اور اصول تمام نظامہائے قانون میں عام اور مشترک ہیں۔ عقل سلیم بھی ان ہی اصولوں کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور عدل و انصاف بھی انہی کا فیصلہ دیتے ہیں۔ کسی نظام قانون میں اس قسم کے قواعد سے غفلت اس قانون کی خامی اور ناانصافی کی دلیل ہے۔ اس دائرہ میں چند چیزوں کے درمیان مشابہت اس بات کی دلیل نہیں کہ بعد میں آنے والی شریعت لازمی طور سے سابق شریعت سے ماخوذ ہے۔

دوم : دونوں نظامہائے قانون میں بعض چیزوں کے درمیان مشابہت حتمی طور پر یہ نہیں بتلاتی کہ ایک کے قواعد و ضوابط دوسرے سے ہی لئے گئے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مشابہت معاشرتی حالات و ظروف میں مشابہت کی بناء پر ہو جن سے دونوں گزرے ہوں جیسے بہت سے واقعات کے متعلق اندازِ فکر میں صحت مند ذہن ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں۔ یہ تمام قوموں میں مشترک ایک فطری امر ہے۔ اس لئے محض اس مشابہت کی بناء پر یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ لازمی طور پر یہ شریعت دوسری سے ہی ماخوذ ہے، اور اس کے برعکس نہیں ہوسکتا۔ اگر یہ کہنا ضروری ہی ہے کہ ایک نے دوسرے سے اخذ و استفادہ کیا ہے، تو پھر یہ

کہنا درست ہوگا کہ رومی قانون اسلامی شریعت سے ماخوذ ہے، اور یہ بات ہم نے ایک مسلّم سماجی اصول کی تطبیق کرتے ہوئے کہی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک مغلوب قوم ہی غالب قوم سے اخذ واستفادہ کرتی ہے۔ اور اس کے برعکس نہیں ہوتا۔[۱۷]

سوم: دونوں قانونی نظاموں میں چند قواعد وضوابط کے درمیان ظاہری مشابہت کے باوجود اسلامی شریعت اور رومی قانون کے درمیان کثیر اور اہم اختلافات ہیں۔ اور یہ اختلافات واضح طور پر بتلاتے ہیں کہ دونوں اپنی اپنی جگہ مستقل قانونی نظام ہیں۔ اور دونوں کے احکام کے مآخذ مختلف ہیں۔ رومی قانون میں بعض ایسے قاعدے اور ضابطے ہیں جن کا اسلامی شریعت میں وجود بھی نہیں ہے۔ مثلاً

(الف) نظام اقتدار پدری: اس اقتدار کا مالک خاندان کا سربراہ ہوتا ہے، اور اس کو اپنی نرینہ اولاد اور اولاد کی اولاد، متبنیٰ اولاد، اور وہ اولاد جن کو قانون نے پسری کا درجہ دیا ہو، ان سب پر یہ اقتدار حاصل ہوتا ہے۔ یہ اقتدار مطلق العنان ہوتا ہے۔ اور اس کا اطلاق اس اقتدار کے سامنے جھکنے پر ہر شخص پر ہوتا ہے اور جو مال بھی وہ کماتا ہے وہ بھی اسی دائرہ میں آتا ہے۔ یہ اقتدار دائمی ہے، اور اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک خاندان کا سربراہ زندہ رہے اور قانونی شخصیت کی حیثیت سے متمتع ہو، اور اولاد کی عمر چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ باوجود اس کے کہ خاندان کے سربراہ کے اقتدار میں کافی کاٹ چھانٹ کر دی گئی ہے، اور اس کی شدت میں بہت تخفیف ہو چکی ہے، تاہم اس کے سنگدلانہ آثار اب بھی باقی ہیں۔ یعنی خاندان کے سربراہ کو سخت ضرورت کی حالت میں اپنی اولاد کو فروخت کرنے کا حق حاصل ہے۔ اور خاندان کا سربراہ خاندان کے تمام اموال کا مالک ہے۔ اس میں تصرف کا پورا حق رکھتا ہے۔ اگرچہ ورثاء کو بلا کسی وجہ کے میراث میں حصہ پانے سے محروم نہیں کر سکتا۔[۱۸]

(ب) اس نوعیت کی شادی کہ شوہر کو زبردست غلبہ حاصل ہو ۔ : اس قسم کی شادی یا تو مذہبی طریقہ سے تکمیل پذیر ہوتی، یا خرید فروخت کے طریقہ سے، یا اگر شوہر نے پہلی دونوں صورتیں اختیار نہیں کی ہیں تو تیسرا طریقہ یہ تھا کہ بیوی ایک سال تک اپنے شوہر کے ساتھ اس طرح رہتی جس سے شوہر کو اس پر کلی غلبہ اور اقتدار حاصل ہو جاتا ۔ اس نوعیت کی شادی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت اپنے اصلی خاندان سے کٹ کر شوہر کے خاندان کی طرف مستقل طور پر منتقل ہو جاتی ہے۔ اور اپنے اصلی خاندان میں وہ مردہ شمار ہوتی ہے۔ اور اس خاندان سے اس کے تمام حقوق، جیسے وراثت، وصیت وغیرہ ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور شوہر کے خاندان میں وہ اس کی بیٹی، اور اس کی اولاد کی بہن بن کر رہتی ہے اور اس اعتبار سے وہ اپنے خاوند کی وارث ہوتی ہے۔ اپنے خاوند کے اقتدار کے سامنے وہ سرافگندہ ہوتی ہے۔ یہ اقتدار بھی پدری اقتدار کے مشابہ ہوتا ہے یعنی خاوند اس کو فروخت کر سکتا ہے، اور اس کے حقوق کا مالک ہوتا ہے۔ شادی کے وقت اس کے پاس جو مال و جائیداد ہو خاوند وہ سب اس سے چھین لیتا ہے[19]

(ج) متبنیٰ (کسی کو اپنا بیٹا بنانا) یہ بھی رومی قانون کا ایک قاعدہ ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص کسی کو اپنا بیٹا بنالے، اور جس کو بیٹا بنایا جائے ان دونوں کے درمیان ایک مصنوعی تعلق پیدا کر کے پدری اقتدار کو قائم کرنا ہے۔ اس کے بھی وہی نتائج مرتب ہوتے ہیں جو شادی سے پیدا شدہ اولاد کے بارے میں ہوتے ہیں۔ بیٹا بنانے کے اس تعلق کو پیدا کرنے کے خاص شرائط ہیں۔ اس طرح جس شخص کو بیٹا بنایا جاتا ہے اس کے، اور اس کے مال و جائیداد پر بھی خاص نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ جو شخص بیٹا بنتا ہے متبنیٰ اس کے خاندان میں کلی طور پر داخل ہو جاتا ہے۔ وہ اس کے اقتدار کے سامنے

سرنگوں ہوتا ہے۔ اور اس کا سارا مال بیٹا بنانے والے کی ملکیت میں چلا جاتا ہے۔[۲]

۷۔ رومی قانون کے مطابق خاوند اور بیوی ایک دوسرے کو تحفہ نہیں دے سکتے۔

چہارم: اسلامی شریعت میں بعض قوانین ایسے ہیں جن کی نظیر رومی قانون میں نہیں۔ مثلاً وقف کا نظام، شفعہ کا نظام، رضاعی رشتوں کا شادی سے مانع ہونا۔ احتساب کا نظام۔ یہ ادارہ سماجی کاموں کے لئے بنایا گیا تھا، اور دور حاضر میں عوام کی نمائندگی اور بلدیہ کے کاموں کے مقابلہ میں تھا۔ سزاؤں میں تعزیر کا نظام، قرض کی ادائیگی دوسرے کے حوالہ کر دینا، یہ اسلامی شریعت میں جائز ہے، لیکن رومی قانون میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ دونوں میں بعض قانونی نظام مشترک ہیں، لیکن ان کے قواعد میں اختلاف ہے۔ جیسے شادی کا نظام۔ رومی قانون میں تعدد ازدواج کی اجازت نہیں، اسلامی شریعت میں چار تک اجازت ہے۔ رومی قانون میں زوجین میں سے ہر ایک کو طلاق کا حق ہوتا ہے اسلامی شریعت میں صرف شوہر کو طلاق کا حق ہوتا ہے، بیوی کو نہیں۔ ہاں نکاح کے وقت بیوی اس قسم کی شرط لگا سکتی ہے۔ میراث کا نظام۔ اس میں بھی دونوں کے درمیان جوہری اختلافات ہیں۔ رومی قانون میں فروع اصول پر مقدم ہوتے ہیں۔ فروع کے ساتھ اصول کو حصہ نہیں ملتا۔ فروع کی عدم موجودگی میں میراث اصول کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، اور ان کے ساتھ حقیقی بھائی بھی شریک ہوتے ہیں۔ اور مرد اور عورت دونوں کو برابر حصہ ملتا ہے۔ لیکن اسلامی شریعت میں اصول کو فروع کے ساتھ حصہ ملتا ہے۔ اور عام قاعدہ کے مطابق مرد کا حصہ عورت کے حصہ سے دوگناہ ہوتا ہے۔ رومی قانون میں میت کے ذمہ حقوق اور قرضے وارثوں کو منتقل ہو جاتے ہیں، اور اگر وہ ترکہ قبول کر لیں تو انہیں اپنے مورث کے قرضے بھی ادا کرنے پڑتے ہیں، چاہے اپنے ذاتی مال میں سے انہیں یہ

ادائیگی کرنا پڑے۔ اسلامی شریعت میں اصول یہ ہے کہ ترکہ قرض ادا کرنے کے بعد تقسیم ہوتا ہے۔ یعنی میت کے ذمہ قرضے اس کے ترکہ میں ہی سے ادا کئے جاتے ہیں۔ اور ترکہ میں سے قرض ادا کرنے کے بعد جو مال بچتا ہے وہ ورثہ میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اگر ترکہ میں سے اتنا مال نہ بچے کہ اس کے سارے قرضے ادا ہو سکیں، تو ورثا ان قرضوں کی ادائیگی کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔ دونوں قانونی نظاموں میں مہر شادی کے احکام میں شامل ہے۔ رومی قانون میں بیوی یا اس کے گھر والے شوہر کو مہر ادا کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف شریعت اسلامیہ میں شوہر بیوی کو مہر ادا کرتا ہے۔

پنجم: رومی قانون اپنے مختلف نظاموں میں رسمی کارروائیوں اور متعین شکلوں پر قائم ہے۔ باوجود ترقی کے اب تک اس قسم کے رسمی شکلوں کو یہ نظام قانون ختم نہیں کر سکا، تاکہ عام قانونی نظاموں کی طرح اس میں بھی عمومی اصول ہوں۔ جن کے مطابق ہر معاملہ میں کارروائی کی جا سکے۔ مثلاً ملکیت محض باہمی معاہدہ سے فریقین کے درمیان ایک دوسرے کو منتقل نہیں ہو سکتی۔ جب تک خاص متعین شکل کی کارروائیاں تکمیل پذیر نہ ہوں۔ اسی طرح محض ایک معاہدہ کے تحت فریقین کسی ذمہ داری کے حامل نہیں ہو سکتے جب تک رسمی شکلوں کی کارروائیاں جو اس کے لئے مقرر ہیں پوری نہ کر لی جائیں۔ یہ شکلی ضابطے جسٹینین کے عہد تک باقی رہے۔ بلکہ فریقین محض اپنی رضامندی سے کوئی ذمہ داری قبول نہیں کر سکتے تھے، اور محض معاہدہ کی بنیاد ملکیت بھی منتقل نہیں ہو سکتی تھی لیکن انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں نپولین کے فرانسیسی قانون کے مطابق محض معاہدہ کی بنیاد پر ملکیت منتقل ہونے لگی۔ اس کے برخلاف اسلامی شریعت آغاز ہی سے معاملات میں سادگی پر مبنی ہے، اور مقرر رسمی شکلوں سے خالی ہے۔ عقد کی تکمیل کے لئے اس میں

رسمی صیغہ کی ادائیگی کی ضرورت نہیں، نہ ہی انتقال ملکیت کے لئے کوئی خاص وضع لازمی ہے بلکہ عقد کے مطابق دونوں فریقین ذمہ داری قبول کر لیتے ہیں اور ملکیت باہمی معاہدہ کی بنیاد پر منتقل ہو جاتی ہے، اور اس میں خاص شکل کی رسمی کارروائیوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ششم: رومی قانون میں ایک عام اصول کے طور پر قانون اخلاق کا دائرہ جدا جدا ہے۔ اس کی مثال میں وہ صریح نصوص پیش کی جا سکتی ہیں جو جسٹینین کے مجموعہ قوانین میں پائی جاتی ہیں۔ یہ صاف طور پر بتلاتی ہیں کہ حق کا غلط استعمال غیر مشروع فعل نہیں سمجھا جاتا تھا اس اصول کے برخلاف، اسلامی شریعت کے قواعد اخلاقی قدروں پر مبنی ہیں۔ اور اس کے قانونی نظام میں اخلاقی اصول کے در آنے کی پوری اجازت ہے۔ اس اصولی اختلاف کے نتیجہ میں بعض قانونی ضوابط اور نظریات میں اختلاف ہے، جو اسلامی شریعت میں تو موجود ہیں لیکن رومی قانون میں ان کا کوئی وجود نہیں۔ رومی قانون میں کسی غصب کی ہوئی چیز کی ملکیت ہونے کے لئے خاص شرائط کے ساتھ ایک مقررہ مدت گزرنے کے بعد جواز موجود ہے۔ یعنی اگر دعویٰ دائر کرنے کی جو مدت مقرر ہے وہ گزر جائے تو وہ غصب کی ہوئی چیز غاصب کی ملکیت بن جاتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس نظام قانون میں اخلاق اور قانون کے درمیان تعلق نہایت کمزور ہے۔ اس کے برعکس اسلامی شریعت میں ایسا کوئی اصول موجود نہیں۔ کیونکہ اس میں اخلاقی قدریں غالب ہیں۔ اور ان کے مطابق غصب کو حق نہیں بنایا جا سکتا۔ اور نہ یہ اخلاقی قدریں اس بات کی اجازت دیتی ہیں کہ محض ایک معینہ مدت گزر جانے سے انسان کو کوئی حق حاصل ہو جاتا ہے، یا اس کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ اسلامی شریعت کے قانونی نظریات کی بنیاد اخلاقی حیثیتوں پر ہے۔ اسی میں حق کو ناجائز طور پر استعمال کرنے کا نظریہ ہے۔ حق کے استعمال میں یہ شرط ہے کہ اس سے دوسرے کو ضرر نہ پہنچے۔ شریعت میں حقوق دے کر آزاد نہیں

چھوڑ دیا گیا۔ حقوق ہمیشہ اس قید کے ساتھ مقید ہوتے ہیں کہ ان کے استعمال سے دوسرے کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ یہ نظریہ جدید مغربی قوانین میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ فقہ اسلامی میں اس نظریہ کے مطابق کوئی پڑوسی اپنا حق اس طرح استعمال نہیں کرسکتا کہ اس سے دوسرے پڑوسی کو سخت نقصان پہنچے۔ اسی طرح نظریہ ضرورت ہے۔ اسی سے ملتا جلتا حالت ایمرجنسی (ناگزیر حالت) کا نظریہ ہے۔ یہ نظریہ کچھ عرصہ پہلے فرانسیسی انتظامی قانون میں ظاہر ہوا تھا۔ اور اب قانون کی مختلف شاخوں تک اس کا دائرہ پھیلتا جارہا ہے۔ فقہ اسلامی میں یہ نظریہ پہلے سے موجود ہے۔ مثلاً کسی آفت سماوی سے کھیتی برباد ہوجائے، تو اس پر خراج ساقط ہوجاتا ہے۔ فقہاء اس کی علت یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ اراضی آفت زدہ ہے، اور اس کے مالک کو نقصان پہنچا ہے۔ اس لئے وہ امداد کا مستحق ہے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ وہ اس آفت زدہ اراضی میں کاشت نہیں کرسکتا تھا![2]

خلاصہ:

گزشتہ بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلامی شریعت کا رومی قانون سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کی حیثیت مستقل نظام قانون کی ہے۔ اس کے فقہاء اس قانون سے بالکل علیحدہ رہے جس کی بنیاد عرف و عادت پر ہے۔ اسلامی شریعت نے اپنے احکام خود اپنے مآخذ سے حاصل کئے ہیں، اور ان کو کسی اجنبی قانون کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے قواعد و ضوابط اصول فقہ میں موجود ہیں، جن پر اس کی بنیاد ہے۔ اسلامی شریعت اور رومی قانون کا مقابلہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالرزاق سنہوری نے کیا ہی سچی بات کہی ہے:

"جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اس قانون کی ابتداء عرف و عادت (رسم و رواج) سے ہوئی۔ پھر دعوی اور چند رسمی و شکلی کارروائیوں سے یہ پروان چڑھا۔ لیکن اسلامی شریعت

کا آغاز اس کتاب سے ہوا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھی۔ اور منطقی قیاس اور موضوعی احکام کے طریقہ سے اس نے آگے ترقی کی۔ مسلمان فقہاء رومی فقہاء سے ممتاز ہیں۔ بلکہ وہ دنیا کے تمام فقہاء و قانون دانوں سے ممتاز ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے اصول و مبادی خود بنائے ہیں ان اصولوں کے ذریعہ وہ مآخذ شریعت سے احکام مستنبط کرتے ہیں اس فن کو وہ اصول فقہ کہتے ہیں"۔[۲۲] اس لئے اسلامی شریعت اور رومی قانون کے درمیان اختلاف جوہری ہے کیونکہ اسلامی شریعت وحی الٰہی پر مبنی ہے، اور یہ سب سے اہم سبب ہے جو اسلامی شریعت کو دوسرے نظامہائے قانون سے ممتاز کرتا ہے، اور اس کے اور رومی قانون اور دیگر وضعی (خود ساختہ) قوانین کے درمیان عظیم فرق کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک فرانسیسی عالم زیس (ZEYS) لکھتا ہے "جب میں اسلامی فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں تو میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ جو کچھ رومی قانون میں جانتا ہوں اب بھول گیا .... اور یہ سمجھنے لگتا ہوں کہ اسلامی شریعت اور اس قانون کے درمیان قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ ہمارے قانون کی بنیاد انسانی عقل پر ہے اس کے برعکس اسلامی شریعت وحی الٰہی پر قائم ہے۔ ان دونوں کے درمیان جب اختلاف اس حد تک پہنچا ہوا ہے تو قانون کے ان دونوں نظاموں کے درمیان موافقت اور ہم آہنگی کا کیسے تصور کیا جا سکتا ہے"[۲۳]۔ اس کے علاوہ اسلامی قانون میں ایسے قاعدے اور ضابطے ہیں جن تک رومی قانون اپنی ترقی کے آخری دور میں بھی نہیں پہنچ سکا۔ ان میں سے ایک اصول نیابت یا وکالت کا ہے۔ ایک شخص قانونی طور پر معاملات میں اپنی طرف سے دوسرے کو نائب یا وکیل بنا سکتا ہے۔ اور اس اصول کو جدید قانون نے بھی تسلیم کیا ہے۔ لیکن جسٹینین کے عہد میں بھی اس اصول کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ آخری دور میں رومی قانون میں چند مستثنیات رکھی گئیں اور ان کے مطابق اب

کوئی اپنی طرف سے دوسرے کو مکمل نائب یا وکیل بنا سکتا ہے[۲۴]۔ ان تمام اسباب کی بنا پر اور حقیقت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے ہم اس نتیجہ پہ پہنچتے ہیں کہ اسلامی شریعت دوسرے قانونی نظاموں سے ممتاز ہے۔ یہ ایک مستقل نظام ہے۔ کسی دوسرے نظام سے ماخوذ نہیں، اور نہ کسی سے متاثر ہے ڈاکٹر شفیق شحاتہ نے صحیح کہا ہے: "یہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قدیم وجدید دور میں وہ تمام کوششیں ناکام ہوگئیں جو یہ ثابت کرنے کے لئے کی گئی تھیں کہ اسلامی شریعت میں رومی قانون سے مدد لی گئی ہے"[۲۵]۔ بلکہ بعض معاصر اہل علم کا خیال ہے کہ خود رومی قانون اسلامی شریعت سے متاثر ہے۔ اور بہت سے اصول وقواعد اس قانون میں فقہ اسلامی سے ماخوذ ہیں۔ کیونکہ فقہ کی کتابوں کا ترجمہ اندلس میں لاطینی زبان میں ہوچکا تھا[۲۶]۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے دوران اٹلی اور یورپ کی دیگر درسگاہوں سے فارغ التحصیل ہونے والے شارحین قانون نے رومی قانون کی شرحوں میں اسلامی فقہ کے بہت سے اصول، قواعد وضوابط داخل کر لئے جو انہیں اندلس میں فقہ اسلامی کی کتابوں کے تراجم کے ذریعہ پہنچے تھے"[۲۷] (ترجمہ: ڈاکٹر احمد حسن)

حوالہ جات

۱۔ صوفی حسن ابوطالب۔ بین الشریعۃ الاسلامیہ والقانون الرومانی۔ ص ۶ صبحی محمصانی فلسفۃ التشریع فی الاسلام۔ ص ۱۸۸

۲۔ احمد امین۔ فجر الاسلام۔ ج ۱۔ ص ۳۰۲۔ صوفی حسن ابوطالب بین الشریعۃ الاسلامیہ والقانون الرومانی۔ ص ۱۰ ومابعد

۳۔ مقریزی۔ امتاع الاسماع۔ ج ۱۔ ص ۸۔ ۹

۴۔ صوفی حسن ابوطالب ۔ بین الشریعۃ الاسلامیہ والقانون الرومانی ۔ ص ۴۸

۵۔ ایضاً ص ۵۲

۷۔ عبدالرحمٰن البزاز ۔ الموجز فی تاریخ القانون ۔ ص ۲۷۱ ۔ صبحی محمصانی فلسفۃ التشریع فی الاسلام ۔ ص ۱۹۰

۸۔ محمد یوسف موسیٰ المدخل لدراسۃ الفقہ الاسلامی ۔ ص ۸۷

۹۔ عبدالکریم زیدان ۔ احکام الذمیین والمستامنین فی دارالاسلام ۔ ص ۵۹۲ ۔ ۵۹۴

۱۰۔ ملاحظہ ہو تفسیر الطبری ۔ ج ۶ ۔ ص ۲۶۸ ۔ تفسیر الرازی ۔ ج ۱۲ ۔ ص ۱۱ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ۔ ص ۶۱ ۔ تفسیر المنار ۔ ج ۶ ۔ ص ۳۹۹ ۔ ۴۰۷ ، ۴۲۰ ۔ تفسیر القرطبی ج ۶ ۔ ص ۱۸۶

۱۱۔ ابن حزم ۔ محلی ۔ ج ۹ ۔ ص ۳۶۲ ، ۴۲۵ ۔ نیز ملاحظہ ہو مختلف فقہی مذاہب کی معروف کتابیں ۔

۱۲۔ عبدالکریم زیدان ۔ الوجیز فی اصول الفقہ ۔ ص ۲۴۰ ۔ ۲۴۴

۱۳۔ المسلمون ۔ مقالہ : علاقات الفقہ الاسلامی بالقانون الرومانی ۔ ج ۵ ۔ ص ۵۷۴ ۔

۱۴۔ صوفی حسن ابوطالب ۔ بین الشریعۃ الاسلامیہ والقانون الرومانی ۔ ص ۲۵ ۔ ۲۶

۱۵۔ صبحی محمصانی ۔ فلسفۃ التشریع فی الاسلام ۔ ص ۱۹۵ ۔ ۱۹۶ ۔ صوفی حسن ابوطالب ۔ بین الشریعۃ الاسلامیۃ والقانون الرومانی ۔ ص ۶۳

۱۶۔ علی البدوی ۔ ابحاث تاریخ الشرائع ۔ مجلۃ القانون والاقتصاد المصریۃ ۔ سال اول ص ۲۴۳ ۔ عبدہ حسن زیات ۔ مذکرات فی تاریخ القانون ۔ ص ۱۴۰

۱۷- مقدمہ ابن خلدون۔ ص ۱۴۷

۱۸- عبدالمنعم بدراوی و محمد عبدالمنعم بدر۔ مبادئ القانون الرومانی۔ ص ۲۱۱-۲۲۱-۲۲۳

۱۹- ایضاً۔ ص ۲۳۲-۲۳۵

۲۰- ایضاً۔ ص ۲۱۱-۲۱۵

۲۱- عبدالکریم زیدان۔ احکام الذمیین والمستامنین فی دارالاسلام۔ ص ۱۷۱

۲۲- سنہوری۔ اصول القانون۔ ص ۱۳۲

۲۳- صوفی حسن ابو طالب۔ بین الشریعۃ الاسلامیہ والقانون الرومانی۔ ص ۱۰۹

۲۴- شفیق شحاتہ۔ النظریۃ العامۃ للالتزامات فی الشریعۃ الاسلامیۃ ج ۱۔ ص ۹۰

عبدالمنعم البدراوی۔ مبادی القانون الرومانی۔ ص ۵۶۰-۵۶۱

۲۵- شفیق شحاتہ۔ النظریۃ العامۃ للالتزامات فی الشریعۃ الاسلامیہ۔ ص ۶۷-

۲۶- یہ نظریہ ابوالفضائل الجردقادقانی الایرانی کا ہے۔ ملاحظہ ہو عبدہ حسن الزیات الموجز فی تاریخ القانون

۲۷- صبحی محمصانی فلسفۃ التشریع فی الاسلام۔ ص ۱۹۳-۱۹۴